



فہرست

بچوں کی دنیا

۱. اعتراف.....
۲. انٹرنیشنل چلڈرن بک ڈے!.....
۳. جنگل کہانی.....
۵. شیر اور گیدڑ کا مقدمہ، بندر کا انصاف.....
۶. میرا کبرا.....
۷. میرے وطن کے پھولو ہمیشہ کھلتے رہو.....
۸. ننھا پانڈا.....

اعتراف

مصنف: یوسف

اسکول میں ہر طرف خوشی کا سماں تھا آج اسکول نویں اور دسویں کلاس کے درمیان میچ ہونا تھا پورے اسکول کے بچوں کی زبان پر طلحہ کا نام تھا کیونکہ جب سے طلحہ اس اسکول میں آیا تھا وہی ہر بار میچ جیت رہا تھا۔ میچ سے پہلے طلحہ اور حامد کا جب آتنا سامنا ہوا تو طلحہ نے مسکراتے ہوئے حامد کو دیکھ کر کہا ہارنے کے لیے تیار رہو۔ حامد نے بس خاموشی سے دکھا اور کہا ہار جیت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ پھر کچھ دیر بعد اسکول کے گراؤنڈ میں یکا یک سب لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے۔ استاذہ صاحبہ کے آتے ہی کھیل شروع ہو گیا۔ طلحہ اور حامد کے مابین مقابلہ عروج پر تھا۔ آخر کھیل تقریباً دو گھنٹے تک چلتا ہوا آخری مرحلے میں پہنچ گیا۔ پانچ اسکور اور دو گیند کی دوری پر حامد کی ٹیم جیت کی دوری پر تھی۔ گراؤنڈ میں حامد کے نام کی پکڑیں اس کی ہمت بڑھا رہی تھی۔ طلحہ کے ماتھے پر پینے کے قطرے نمودار ہو نا شروع ہو گئے تھے ہمیشہ سے جیت کا تقہ اپنے سر سجانے والے طلحہ سے شکست ہوتی برداشت نہ ہو رہی تھی اس کے ذہن میں کھیل شروع ہونے سے پہلے حامد کے کہے ہوئے الفاظ مسلسل گونجنے لگ گئے تھے کہ۔ ”ہار جیت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے“ وہ اسی سوچ میں گم تھا جب اسکول کے گراؤنڈ میں شور برپا ہو گیا۔

اس نے دیکھا کہ سب لوگ حامد کو مبارک باد پیش کر رہے ہیں اس کے والدین بھی حامد کو گلے لگاتے ہوئے دعاؤں دیں رہے ہیں۔ اس کو اب اپنے والدین پر غصہ آنے لگا گیا وہ وہاں غصے سے اپنی کلاس کے کمرے میں جا کر بیٹھ گیا۔ اور ہارنے کی شرمندگی سے رونے لگ گیا۔ اسی وقت اس کے ماں باپ وہاں آ گئے اور طلحہ کو سمجھنے لگ گئے کہ تمہارے مخالفوں کو تمہاری وجہ سے دفاہمی لائن میں ایک زبردست شکاف مل گیا ہے اور وہ شکاف تم ہی ہو۔

زندگی کی سب سے بڑی حقیقت اعتراف ہے۔ ایمان ایک اعتراف ہے۔ کیونکہ ایمان لا کر آدمی اپنے مقابلہ میں خدا کی بڑائی کا اقرار کرتا ہے۔ لوگوں کے حقوق کی اوائلی اعتراف ہے۔ کیونکہ ان پر عمل کر کے ایک شخص بین آسانی ذمہ داریوں کا اقرار کرتا ہے۔

بنیادم کو حامد کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے اور اس کو اس کی جیت پر مبارک آباد دینی چاہیے۔ اعتراف کرنا چاہیے کہ اس نے کھیل اچھا کھیلا ہے۔ اور یہی اعتراف تمہاری جیت ہو گئی ماصل خوشی دوسروں کی خوشی میں خوش ہونا ہے۔

حامد نے اپنی آنکھوں سے آنسو پونچھے اور چلتا ہوا گراؤنڈ میں بنے میچ پر چڑھتا ہوا حامد کے سامنے جا کھڑا ہوا جہاں پر سب استاذہ اکرام حامد کے ساتھ ساتھ اس کا بھی نام لے کر بلا رہے تھے۔ سب سے پہلے اس نے حامد کو مبارک باد پیش کی۔ پھر مائیک پکڑے حامد کے ساتھ جا کھڑا ہوا وہاں موجود سب لوگ خاموشی سے اسے سننے لگا۔

جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ پچھلے سالوں سے میں ہی اسکول میں جیتنا آرہا ہوں اور اس بار یہ بڑی حامد لے گیا ہے میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ حامد نے اس بار مجھے سے زیادہ اچھا کرکٹ کھیلا ہے اس بار حامد اس کھیل کا ”چیمپئن“ ہے۔

میں نے آج سیکھا ہے کہ اعتراف تمام ترقیوں کا دروازہ ہے۔ مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اعتراف کے لیے آمادہ کر سکے۔ جب بھی ایسا کوئی موقع آتا ہے تو آدمی اس کو اپنی عزت کا سوال بنا لیتا ہے۔ وہ اپنی غلطی ماسنے کے بجائے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خرابی بڑھتی چلی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ جاتا ہے کہ جس غلطی کا صرف زبانی اقرار کر لینے سے کام بن رہا تھا اس غلطی کا اسے اپنی بربادی کی قیمت پر اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اور میں بربادی کی کسی قیمت پر آکر اعتراف نہیں کرنا چاہتا ہوں۔

بے شک ہار جیت اللہ کے ہاتھ میں ہے اس نے یہ جملہ بولتے ہوئے حامد کی طرف دیکھا اور اسی وقت حامد نے طلحہ کی طرف دیکھا تو وہ دونوں مسکراتے گلے مسکراتے ہوئے طلحہ نے کہا کہ آخری بات جو میں آپ سب کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے میں اپنے استاذہ اپنے ماں باپ اور حامد کا شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے اپنے علم و حکمت سے سمجھا کر بتایا کہ غرور و تکبر اور اپنی غلطی پر پردہ ڈالنے یا ہارنے پر حسد کرنے کی بجائے دوسروں کی خوشی میں خوش ہو کر اپنی ہار کو جیت بنا کر خوش رہنا چاہیے شکر یہ۔

پورے سال میں تالیوں کی گونج گھوم رہی تھی طلحہ پرسکون ہو کر اپنی ناکامی کو بھول کر دوبارہ سے کامیابی حاصل کرنے کی کوشش میں لگن ہو گیا۔ طلحہ کا یہی اعتراف اس کی جیت بن گیا تھا۔

§§§

انٹرنیشنل چلڈرن بک ڈے!

مصنف: یوسف

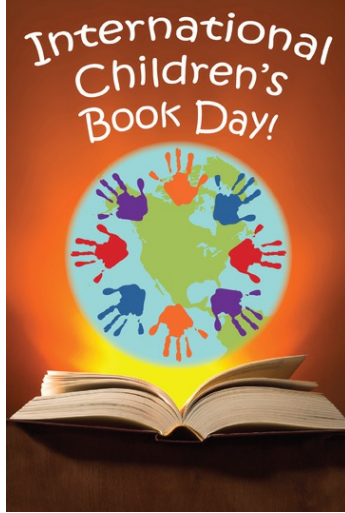
مجھے نہیں معلوم کہ بچوں کی کتابوں کے عالمی دن کو ہمارے پاکستان میں دھوم دھام سے کیوں نہیں منایا جاتا پاکستان میں بچوں کی کتابوں کا عالمی دن ہمیشہ خاموشی سے گزر جاتا ہے۔ ہم نے بہت سے دوستوں کو فون کیا جن کا تعلق سکول سے تھا کہ وہ اس دن بچوں کے لیے کتابوں کا سال لگائیں، لیکن تقریباً سبھی نے اسے فضول سمجھا اور بعض نے تو مذاق تک اڑایا۔ لیکن ایک بات سب میں مشترک تھی اس دن سے لاعلمی۔ ہمارے علم میں آیا اور ہم حیران ہونے لگے کہ پاکستان میں کبھی یہ دن منایا گیا ہو اس بارے میں کوئی ثبوت نہیں ملا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جس قوم نے علم و تحقیق کا دامن چھوڑ دیا، وہ پستی میں گر گئی۔ دوسری طرف ہم بہت سے مغربی دن بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں، جن کی بے شک اسلام میں اجازت بھی نہ، معاشرے میں برا سمجھا جاتا ہو مثلاً ویلنٹائن ڈے پر اس سال بہت خوب کھلایا پروگرام کیے گئے۔ مجال ہے جو بچوں کی کتابوں کے حوالے سے ایسے دھواں دار پروگرام ہوتے ہوں۔ ہم ایسے دن منانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں جن سے قوم کا بھلا ہوتا ہو۔



جس سے وہی کلچر پروان چڑھتا ہے۔ بد قسمتی دیکھیں ہم بچوں کے لیے (روشن مستقبل کے لیے) اب تک کوئی اصلاحی چینل شروع نہ کر سکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم اپنے مستقبل کو کتنی اہمیت دے رہے ہیں اور ہمیں اپنے کلچر، ملک، اسلام، زبان سے کتنی محبت ہے۔ اگر ہم اپنے ملک کا موازنہ ہمسایہ ملک سے کریں تو حیرت ہوتی ہے کہ انہوں نے اتنا بڑا اینٹ ورک، میڈیا کنٹرا کر دیا ہے کہ اس کی مثال دینا مشکل ہے۔ اب وہ اپنا کلچر، زبان، مذہب بذریعہ کارٹون، فلمیں ہمارے بچوں کو سکھا رہے ہیں۔ بچوں کی کتابوں کے عالمی دن کو منانے کا مقصد بچوں میں کتب کے مطالعہ کا شوق پیدا کرنا ہے۔ ان کی تعلیم

و تربیت کے لیے کتابوں کی اہمیت کو اجاگر کرنا ہے اگرچہ آج ٹی وی انٹرنیٹ اور موبائل نے بچوں کے ذہنوں پر قبضہ کر لیا ہے، لیکن کتاب کی اہمیت اپنی جگہ مسئلہ ہے۔

یہ تو ہم جب بچے تھے تب سے سن رہے ہیں کہ بچے قوم کی امانت ہیں، اور ملک کے روشن مستقبل کی ضمانت ہوتے ہیں، لیکن ان بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے یعنی روشن مستقبل کے لیے ہم کیا کر رہے ہیں۔ ہم نے بچوں کے لیے کیا بہت سا کتابوں کا سرمایہ جمع کر لیا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ماضی میں شائع ہونے والی بچوں کی کتابوں کو بھی دوبارہ شائع نہیں کیا۔ دھک کی بات یہ بھی ہے کہ اب ہمارے بچے ہندی کارٹون، فلمیں وغیرہ دیکھتے ہیں۔



پاکستان میں بہت سے ماہنامہ، پندرہ روزہ، ہفت روزہ رسائل و میگزین بچوں کے لیے شائع ہوتے ہیں اسی طرح تقریباً ہر اخبار بھی ہفتے میں ایک دن بچوں کے لیے ایک صفحہ یا میگزین شائع کرتے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کی تعداد اشاعت بھی قابل ذکر ہے۔ اکثر ایسے ہیں جن میں بچوں کی تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ لیکن بچوں کو زیادہ تر فرضی کہانیاں سنائی جاتی ہیں جن میں حقیقت کا عمل دخل بہت کم ہوتا ہے۔ کیا ہی اچھا ہوتا بچوں کو تاریخ، اسلام، سائنس دانوں کی زندگی وغیرہ پر زیادہ مواد دیا جاتا۔ پاکستان میں بچوں کے لیے کبھی جانے والی کتب کی تعداد دھرم ناک حد تک کم ہے۔ اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ اچھے لکھاریوں کا کم ہونا۔ قاری کم ہیں۔ کتاب شائع کرنے کے لیے سرمایہ کا نہ ہونا۔ بچوں کے ادب کو اہمیت نہ دینا وغیرہ پاکستان میں بچوں کے لیے جو میگزین و رسائل شائع ہو رہے ہیں ان میں سے چند قابل ذکر درج ذیل ہیں۔ موجودہ دور میں بڑھتے نفسیاتی مسائل سے بچنے کے لیے آج ماہرین نفسیات بچوں کے لیے مطالعہ کو لازمی قرار دے رہے

ہیں۔ ہمارے بچے زیادہ تر مارچلے سے بھر پور گیم دیکھ رہے ہیں یا کارٹون جن سے تشدد کو پسند کرنے لگتے ہیں اس لیے کتابوں کی طرف بچوں کو راغب کیا جانا ضروری ہے، گیم، کارٹون کی موجودگی میں بچوں کو مطالعہ کی طرف راغب کرنا کٹھن کام ہے۔ اس کا حل یہ بھی ہے کہ بچوں کے لیے ایک چینل ہو جس میں بچوں کو سچی کہانیاں، مزاحیہ کارٹون، ہمارے کلچر، زبان، مذہب کی تبلیغ کی جائے۔ اس کے باوجود کتابوں کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اچھی کتابیں شعور کو چلا بخشنے کے ساتھ ساتھ بچوں کو بہت سے فضول مشغلوں سے بھی بچاتی ہیں۔ بچوں میں مطالعہ کا ذوق و شوق پیدا کرنے میں والدین اور اساتذہ اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے لکھاریوں کو بھی اس بارے میں لکھنا چاہیے۔ جتنے بڑے لکھاری ہیں، ان میں سے اکثر پہلے بچوں کے لیے لکھتے رہے ہیں۔

مثلاً نظیر اکبر آبادی کو اردو ادب کا اولین عوامی شاعر

کہا جاتا ہے، جنہوں نے بچوں کے ادب پر بہت ساری اہم نظمیں لکھیں۔ ان کے علاوہ مولانا محمد حسین آزاد، امتیاز علی تاج، اسماعیل میرٹھی، حفیظ جالندھری، کرشن چندر، شوکت تھانوی، ڈاکٹر ذاکر حسین، احمد ندیم قاسمی، ڈپٹی نظیر احمد، شبلی نعمانی، حجاب امتیاز علی، علامہ اقبال، حالی، محصن چٹائی، قتیل شفائی، قیصر تمکین، واجدہ تبسم، جیلانی بانو، انوار صدیقی، ڈاکٹر شکیل الرحمن، علی ناصر زیدی، غلام مصطفیٰ، صوفی تمس، ماہر القادری، عبدالحمید نظامی، خواجہ پھول، ڈاکٹر اسلم فرخی، اشتیاق احمد، نذیر ابوالوی، ذکیہ بلگرامی، تنہا زیدی، وغیرہ میں نے خود ایک عرصہ تک بچوں کے لیے لکھا ہے۔ اب بھی کبھی کبھار بچوں کے لیے کچھ نا کچھ لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ ہم نے اپنے والدین سے بولوا دی ہے بچپن میں بہت سی کہانیاں سنیں وہ اب تک یاد ہیں، ہر کہانی کی ابتدا ایک تھا پادشاہ۔ سے ہوتی اور اختتام ان الفاظ پر۔۔۔ اور پھر سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔ آج بھی یہ الفاظ اپنے اندر محبت لیے میرے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ میں کہہ رہا تھا کہ عصر حاضر میں بچوں کے ادب پر بہت کم لکھا جا رہا ہے دور حاضر میں کمپیوٹر کنالوٹی اور مختلف گیمز نے بچوں کو مشغول کر رکھا ہے ایسے میں والدین کا فرض نہ ہونا چاہئے کہ اپنی اولاد کو کتابوں سے روشناس کروائیں۔

آج والدین اپنے بچوں کو آکس کریم یا برگر کے لیے تو بخوش پیسے دے دیتے ہیں لیکن وہ اپنے بچوں کو کتاب خرید کر بطور تحفہ دینے کو تیار نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ اب نئے لکھاریوں میں سے بہت کم ہیں جو بچوں کے لیے لکھتے ہیں۔ دوسری طرف بچوں کے لیے لکھنے والے اب انتہائی بوڑھے ہو گئے ہیں، وہ عمر کے اس حصے میں ہیں کہ اب ان کے لیے بچوں کے لیے لکھنا مشکل نہیں ہے۔ حالانکہ بچوں کے لیے لکھنا مشکل ترین کام ہے، بعض خود کو بڑا لکھاری سمجھنے والے بچوں کے لیے نہیں لکھتے مطلب مشکل کام نہیں کرتے اور اس لیے بھی کہ بچوں کے لیے لکھنا ان کی نظر میں اہم نہیں ہے۔ جہاں تک بچوں کے ادب کا، کتابوں کا تعلق ہے تو حالت تشویشناک ہے۔

بچوں کی کتابوں کا عالمی دن بہت سے ممالک میں منایا جاتا ہے۔ یہ دن سب سے پہلے IBBY کی طرف سے تجویز کیا گیا۔ اور 2 اپریل کو انٹرنیشنل چلڈرن بک ڈے (ICBD) بچوں کی کتابوں کا عالمی دن ناماً 1967ء کو پہلی مرتبہ منایا گیا۔ اس دن دنیا میں بچوں کی کتابوں کے سال لگائے جاتے ہیں، بچوں کا ادب لکھنے والوں کو سراہا جاتا ہے، ایوارڈ وغیرہ دیئے جاتے ہیں۔ بد قسمتی سے پاکستان میں ایسا کچھ نہیں کیا جاتا۔ اس بارے میں ہماری والدین، اساتذہ، صحافیوں، بلیوین سے گزارش ہے کہ وہ اپنا کردار ادا کریں۔ تاکہ ہم اپنے ملک و قوم کے مستقبل کی بہتر پرورش کر سکیں۔ گذشتہ سالوں کی نسبت پاکستان میں بچوں کے لیے کتب کی اشاعت اور خریداری میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

گزشتہ سال ایک طرف یہ بحث جاری تھی کہ پاکستان

میں کتب بینی کا شوق ماند پڑتا جا رہا ہے اور ہر فورم پر اس پر مذاکرے دیکھنے میں آتے تھے وہاں خصوصاً بچوں کے لیے کتب کی اشاعت خوش آئندہ بات ہے ۔

پاکستان میں ہونے والے کتب میلوں ، کانفرنسوں جیسا کہ اردو کانفرنس ، انٹرا کانفرنس ، کاروانِ ادب کانفرنس وغیرہ کے انعقاد نے لوگوں کو کتب بینی کی جانب راغب کیا ۔ ان کتب میلوں میں لوگ فیملی ممبران کے ساتھ جوق در جوق شرکت کر رہے ہیں ، یہ ایک بڑی تبدیلی کا پیش خیمہ ہے ۔ ہمارے اشاعتی اداروں کو اب ایک بات کا خیال رکھنا ہو گا کہ وہ معیاری کتب کے ساتھ ساتھ سستی کتابوں کو شائع کریں ، اگر ایسا نہ ہوا تو ہماری نسل مایوس ہو کر دوبارہ گلوٹل ویلج کی چکا چند میں کہیں گم ہو جائے گی اور اسے ڈھونڈنا مشکل ہو گا۔

§§§

جنگل کہانی

مصنف: یوسف

پیارے بچوں! ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ افریقہ کے ایک جنگل میں بہت سے جانور آپس میں مل جل کر رہتے تھے۔ اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے۔ گویا جنگل میں منگل تھا۔ شیر بھی باوجود کسی جانور کو نہ مارتا۔ اگر بھوک لگتی تو گھاس کھا لیتا یا کسی کمزور جانور کو کھا لیتا۔ جنگل کے جانور ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک دن نہ جانے کہاں سے اُن کے جنگل میں ایک لومڑی آگئی۔ بچوں آپ تو جانتے ہی ہیں کہ لومڑی کتنی چالاک ہوتی ہے۔ جانوروں نے اُس سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئی ہو تو وہ جھوٹ موٹ کے آنسو بہانے لگی اور بولی میں جس جنگل میں رہتی تھی وہاں میری کوئی عزت نہیں کرتا تھا۔ لہذا میں مجبور ہو کر یہاں آئی ہوں۔ جانور اس کو اپنے بادشاہ شیر کے پاس لے گئے اور ساری بات بتا دی۔



شیر نے کہا دیکھو بھی تم سب جانتے ہو کہ لومڑی چالاک ہوتی ہے لہذا میں تو اس کو یہاں رکھنے کو تیار نہیں ہوں۔ لومڑی نے اپنی مرضی۔ جانوروں کو لومڑی پر ترس آگیا اور آخر جانوروں کے کہنے پر شیر نے لومڑی کو جنگل میں رہنے کی اجازت دے دی۔ پہلے پہل تو لومڑی بڑی شریف بن کر رہی اور کوئی اُلٹی سیدھی حرکت نہ کی۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ اُس نے اپنے رنگ دکھانے شروع کر دیے۔ اور جانوروں کو اپنی باتوں میں پھنسانے لگی۔ وہ اُن سے کہتی کہ شیر تمہارے کمزور ساتھیوں کو کھا جاتا ہے اور تم لوگ چپ رہتے ہو اگر ایسا ہی رہا تو ایک دن تم سب مارے جاؤ گے۔ شروع میں تو جانوروں نے لومڑی کی باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ لیکن آخر جانور لومڑی کی باتوں میں آگئے اور انہوں نے شیر کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور سارے شیر کو مارنے پر تل گئے۔ لیکن وہ کمزور تھے اور خود کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ لومڑی نے موقع سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کہا میں ساتھ کے جنگل کے شیر کو جانتی ہوں وہ اُس شیر کو مار دے گا۔ جانور کچھ دیر سوچتے رہے اور پھر انہوں نے حاسی بھر لی۔ اور بی لومڑی ایک دن دوسرے جنگل کے شیر کو لے آئی۔ اس نے آتے ہی متاثرہ جنگل کے جانوروں کے بادشاہ کو خون ریز لڑائی کے بعد مار دیا۔ جس پر جنگل کے جانور بہت خوش ہوئے اور اُس کو اپنا نیا بادشاہ بنا لیا۔ لیکن کچھ دنوں بعد نئے شیر نے بھی جانوروں پر ظلم شروع کر دیا۔ سب جانور اپنے کئے پر رونے لگے۔ آخر انہوں نے بہت کی اور ہاتھی سے مدد کی درخواست کی۔ پھر ایک دن ہاتھی اور جنگل کے تمام جانور اکٹھے ہوئے اور شیر کو جنگل سے بھگا دیا۔ اور لومڑی کی بھی خوب خبر لی اور اُس کو بھی جنگل سے نکال دیا۔ جانوروں نے ہاتھی کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ اور سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔



نتیجہ:

بچوں اس کہانی سے یہ سبق ملتا ہے کہ آپ بغیر سوچے سمجھے کسی کی باتوں میں نہ آؤ نہیں تو نقصان اُٹھانا پڑ سکتا ہے۔

جذبہ

جانتے ہیں کہ پتھر سے موسیقی کی آواز نہیں نکل سکتی۔“
یہ بات سن کر بندر نے پتھر کو ایک طرف رکھا اور کہا ”اگر
ایک بکری مچھرے کو پیدا کر سکتی ہے تو پھر پتھر سے بھی مو
سیقی کی آواز آسکتی ہے اور تم نے سنا؟ کتنی سریلی موسیقی ہے
“یہ سن کر شیر ساری بات کو سمجھ گیا اور اس نے غراتے ہو
ئے کہا ”ہاں یہ آواز تو بہت خوبصورت ہے۔“ اس کی بات سن
کر ارد گرد جمع ہونے والے سارے جانور بندر کی عقل مندی
اور جرات کے قائل ہو گئے اور انہوں نے چلاتے ہوئے کہا
”بندر اس جھگڑے کا فیصلہ کر چکا ہے کہ صرف گائے ہی
مچھرے کو جنم دے سکتی ہے اور اس پر گیدڑ کا حق ہے۔“
اب تمام جانوروں نے شیر کو لہن طعن شروع کر دی کہ وہ اپنے
دوست کو دھوکا دے رہا تھا۔ یہ ماجرا دیکھ کر شیر نے شرم سے
سر جھکا لیا اور واپس جا کر گیدڑ کو گائے کا بچہ واپس کر دیا۔



کے قریب جا کر کہل۔ اس کی بات سن کر ایک بوڑھی ہرنی
آگے بڑھی اور کہا اپنے ریوڑ کے جھگڑوں کا فیصلہ میں کرتی ہوں
، بولو کیا کام ہے؟ ہم ایک مسئلے کو حل کرنا چاہتے ہیں۔“ یہ
کہہ کر دونوں نے کہا نی سناٹی شروع کر دی۔ اب ان کی کہانی
سن کر ہرنی سوچ میں پڑ گئی کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی
کہ بکری مچھرے کو پیدا نہیں کر سکتی لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی
کہ شیر بہت خطرناک جانور ہے۔ اسی لیے اس نے شیر کی طر
ف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ بات سچ ہے کہ ہماری جوانی میں
بکری مچھرے کو جنم نہیں دے سکتی تھی اور یہ کام صرف
گائے ہی کر سکتی تھی تاہم اب زمانہ بدل گیا ہے اور بکری
مچھرے کو جنم دے سکتی ہے اور میرا فیصلہ یہی ہے کہ یہ مچھرا
شیر کا ہے۔“



”کیا.... یہ نہیں ہو سکتا۔“ ہرنی کا فیصلہ سن کر گیدڑ نے غصے
سے کہا۔ ”چلو اب دوسرے منصف کو ڈھونڈتے ہیں۔“ یہ کہہ
کر دونوں نے دوسرے جانور کو ڈھونڈنا شروع کر دیا جو ان کو
انصاف دلا سکے۔ چلتے چلتے وہ چٹانوں کی طرف پہنچ گئے، جہاں
انہیں ایک گلو گبز نظر آیا اور انہوں نے اسے سارا جراثنا دیا۔
ان کی بات سن کر گلو گبز نے شیر کی طرف دیکھا۔ اسے یاد
تھا کہ شیر اس کے بہت سارے دوستوں کو کھا چکا ہے، اس
لیے اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا: ”سنو معمولی بکری
ہی بکری کے بچے پیدا کر سکتی ہے لیکن غیر معمولی نسل کی
بکری سب کچھ کر سکتی ہے اور یقیناً شیر کی بکری بہت غیر
معمولی ہے اور اسی وجہ سے یہ مچھرا بھی شیر ہی کا ہے۔“
”تم پاگل ہو گئے ہو کیا؟“ گیدڑ نے غراتے ہوئے گلو گبز
کو جواب دیا اور شیر سے کہا ”چلو اب ہمیں تیسرے انصاف
کیلئے منصف کو تلاش کرنا ہے۔“ چلتے چلتے وہ ایک چٹان کے
قریب پہنچے جہاں ایک بوڑھا بندر لیٹا ہوا تھا۔



”معاف کیجئے گا“ شیر نے بندر کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا ”کیا
آپ ہمارے جھگڑے کا منصفانہ فیصلہ کر سکتے ہیں؟“ یہ بات
سن کر بندر نے باری باری دونوں کی بات سنی۔ ان کی بات
نہم ہونے کے بعد بندر نے چٹان پر اوپر اوپر کچھ دیکھنا شروع
کر دیا جیسے کچھ تلاش کر رہا ہو۔ ”کیا تم کھانے کے لیے کچھ
ڈھونڈ رہے ہو؟“ شیر نے دھڑکتے ہوئے کہا ”ہمیں جلدی
فیصلہ سنا؟ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے اور میں گھر جا کر اپنے
مچھرے کو کھانا چاہتا ہوں“ صبر کردہ ابھی میں بہت مصروف
ہوں“ بندر نے جواب دیتے ہوئے کہا اور پتھر اٹھا لیا۔ ”
مصروف؟“ شیر نے غراتے ہوئے پوچھا ”کیا کر رہے ہو؟“
”ساز بجا رہا ہوں میں ہمیشہ فیصلہ کرنے سے قبل تھوڑا سا

شیر اور گیدڑ کا مقدمہ، بندر کا

انصاف

مصنف: یوسف

بہت عرصے قبل ایک شیر اور گیدڑ میں گہری دوستی تھی اور وہ
دونوں ایک دوسرے کو حیران کرنے کی کوشش کرتے رہتے
تھے۔ ایک دن شیر نے ایک موٹی تازی بکری کو زندہ پکڑا اور
اپنے دوست گیدڑ پر رعب بھانڈنے کے لیے جلدی جلدی اس
کی بھٹ پر آیا لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو حیرت سے اس کی
آنکھیں کھلی رہ گئیں کیونکہ گیدڑ اس سے پہلے ہی ایک گائے کو
پکڑے بیٹھا تھا۔ ”ایک گیدڑ شیر سے اچھا شکار کیسے کر سکتا تھا؟“
”شیر نے غصے میں سوچا اور خاموشی سے بکری کو باہر گائے کے
ساتھ بانڈھ کر سونے کے لیے چلا گیا کیونکہ رات کافی ہو چکی
تھی لیکن وہ ساری رات جاگتا رہا کیونکہ اسے حسد ہو رہا تھا کہ
آخر گیدڑ نے گائے کو پکڑا کیسے۔ آخر کار اس سے رہا نہیں گیا تو
سورج نکلنے سے پہلے ہی باہر نکل کر گائے کے پاس پہنچ گیا
لیکن وہاں گائے کے ساتھ ایک مچھرا بھی کھڑا تھا جسے رات
میں ہی گائے نے جنم دیا تھا۔ مچھرے کو دیکھتے ہی شیر کے ذہن
میں ایک خیال آیا اور اس نے خود سے کہا ”میرے دوست کو
دونوں کی ضرورت نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر وہ مچھرے کو بکری
کے پاس لے گیا اور اسے اس کا دودھ پلانا شروع کر دیا اور
صبح ہوتے ہی وہ چلاتا ہوا گیدڑ کے پاس گیا اور اس سے کہا ”
جلدی چلو میرے ساتھ.... میری بکری نے رات میں مچھرے
کو جنم دیا ہے۔“ گیدڑ نے جب جا کر دیکھا تو مچھرا بکری کا
دودھ پی رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے
کہا: ”ناممکن“ ایک بکری کے یہاں گائے کا بچہ نہیں ہو سکتا۔
صرف گائے ہی مچھرے کو پیدا کر سکتی ہے۔ یہ مچھرا میرا ہے۔“

یہ بات سن کر شیر نے غراتے ہوئے کہا پاگل مت بنو۔ ثبوت
تمہارا رے سامنے ہے۔ یہ دونوں ایک ساتھ کھڑے ہیں اور یہ
مچھرا میرا ہے۔“ ”نہیں میں اس ثبوت کو نہیں مانتا۔“ گیدڑ
نے غصے سے جواب دیا اور پھر دونوں آپس میں لڑنے لگ گئے۔
اچانک شیر نے کہا ”ہم دونوں کسی کو منصف بنا کر اس بات کا
فیصلہ کرا دیتے ہیں کہ یہ مچھرا کس کا ہے؟“ شیک ہے لیکن میں
تین لوگوں سے فیصلہ لوں گا۔ گیدڑ نے جواب دیا۔ شیر اس
پر راضی ہو گیا اور وہ دونوں تین عقل مند جانوروں کو تلاش
کرنے لگے جو ان کا فیصلہ کر سکیں۔ چلتے چلتے وہ ہرنوں کے
ریوڑ کے پاس پہنچے جو درخت کے پتے کھا رہے تھے۔ کیا تمہا
رے ریوڑ میں کوئی عقل مند ہے؟“ شیر نے ان

جذبہ

میرا بکرا

مصنف: یوسف

بقرب عید کی آمد آمد تھی اور ہر جگہ قربانی کے جانوروں کی منڈیاں بچ گئی تھیں۔ جب سے برابر والے
مرزا صاحب اپنا بکرا لے آتے تھے ہم نے تو ابا جان کی جان کھائی تھی کہ بس اب بہت دیر ہوگئی
جائیں بکرا منڈی۔۔۔ سب لوگ جانور لے آتے ہیں۔ میں اپنی پسند کا بکرا لوٹکا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ابا جان
کب سے ٹال رہے تھے مگر آج ہمارے آنسوؤں نے انہیں بھی موم کر دیا اچھا چلو تم بہت ضدی ہو
گے ہو۔ چاچا کے ساتھ چلتے وہ ایک دو دن میں جائیں گے مگر میری رٹ کے آگے مجبور ہوگا۔ اور
ان کی ہاں سنتے ہی ہم گلے منڈی جانے کی تیاری کرنے۔ برابر والے مرزا صاحب سے مول تول کی
بات دریافت کیا تو ہوش ہی اڑ گئے مگر چہرے سے ہلکے ظاہر نہیں ہونے دیا کہ پیسے بجٹ سے باہر ہیں
۔ خیر ابا جان کی موٹر سائیکل پر بیٹھے اور ہوا کی طرح منزل یعنی منڈی کی طرف روانہ ہو۔ وہ
منڈی کیا تھی قربانی کے جانوروں کا ایک سمندر تھا تا حد نگاہ تک۔ ہم نے ایک سمت سے اپنا گوبر
نایاب ڈھونڈنا شروع کیا۔ ابا جان ہر بکرے کی شان میں قصیدے پڑھ رہے تھے مگر ہمیں جس
بیرے کی تلاش تھی وہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ خیر ہم نے بھی ہمت نہیں ہاری ایک جگہ وہ ہمیں نظر آ
ہی گیا۔ سفید رنگت، لمبے گھوٹے ہوئے سینگ، سرگیں آنکھیں، چہرے پر بلا کی نخوت۔



جیسے اپنی اہمیت سے واقف ہو۔ ابا جان یہی ہے یہی ہے ہم خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ بھاؤ تاؤ کے
لمبے اور تکلیف دہ دورانیہ کے بعد بکرے کی رسی ہمارے ساتھ آئی۔ ابا جان مستقل بڑبڑا رہے تھے
کہ سونے کے سینگ لگے ہیں جو اتنا مہیگا دیا ہے بس ہماری ضد سے مجبور ہو گئے۔ اب اگلا مرحلہ اس
بکرے کو گھر لے کر جانے کا تھا۔ ابا جان نے مجھے اور بکرے کو دو لوگوں کی مدد سے رکشہ پر سوار
کرایا۔ اور خود اسکوٹر پر بچھپے بچھپے ہوئے۔ ٹھنڈی ہوا کا اثر تھا کہ بکرے صاحب نے کچھ لمنا جلانا
شروع کر دیا اور تھوڑا رسی گھسیٹنے لگے ہم نے رکشے والے کو کہا بھیا ذرا تیز چلاؤ گھر قریب آگیا ہے
بکرے کے تیر کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے۔ جیسے ہی ہم نے اپنی گلی کا ٹرن کاٹنا پتہ نہیں کیسے بکرے
میاں نے ایک اڑان بھری اور رکشے سے باہر۔ ہم ابھی صورتحال کا جائزہ لے رہے تھے کہ ابا جان
کی آواز کان میں پڑی۔ بچھپے بھاگو شیر۔ بکرا تو گیا۔ بس آؤ دیکھا نہ تاؤ ہم بھی اس کے بچھپے
بھاگے۔ اچانک بکرے نے بریکیں لگائیں اور پلٹ کر ہماری طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا اور اپنے
پاؤں کے کھر زمین پر مارنے لگا ہم نے سکینڈ کے ہزاروں حصے میں اس کی نیت جان لی اور پلٹ کر
بھاگے اب صورتحال یہ تھی کہ ہم آگے تھے اور بکرا اپنی بڑی بڑی سینگوں کا رخ ہماری طرف
دوڑا چلا آ رہا تھا۔ ہماری سانس بھاگ بھاگ کر نہ اندر تھی نہ باہر آخر ایک گھر کا دروازہ ہمیں کھلا دکھا
اور ہم پلک کر اندر گھس گئے۔ خیر سے وہ ہمارا ہی گھر تھا۔ کچھ پتہ نہیں کہ ابا جان نے بکرے کو کیسے
قابو کیا بس اس وقت تو ہم سب بھول بیٹھے تھے۔ دوسرے دن کچھ ہوش ٹھکانے آ تو باہر آ کر
بکرے کو دیکھا جسے تین رسیوں سے باندھا گیا تھا اور وہ کھانا کھانے والوں کو بھی قریب نہیں آنے
دے رہا تھا۔ مورل آف اسٹوری یہ ہے کہ ہمیشہ بڑوں کا کہنا ماننا چاہیے کیونکہ ان کی ہر بات میں
حکمت ہوتی ہے۔ بے جا ضد کا انجام یہی ہوتا ہے۔ حرما رضوان

میرے وطن کے پھولو ہمیشہ کھلتے رہو

مصنف: یوسف

بچے من کے سچے ہوتے ہیں بچے کسی بھی گھر کی رونق ہوتے ہیں بچے ماں کے دل کا گلزار اور باپ کے جگر کا گلزار ہوتے ہیں تو کسی بھی ریاست کا مستقبل ہوتے ہیں۔ بچے ہی گھر کی خوشی ہوتے ہیں پیارے بچوں آپ کو کتنے لاڈ و پیار سے پالا جاتا ہے آپ کی ہر خواہش پوری کی جاتی ہے آپ کے دکھ سکھ کا خیال رکھا جاتا ہے اور کس طرح آپ کو صبح آپکی ماں آپ کو تیار کر کے سکول بھیجتی ہے



اور کس آپکا باپ آپکی تمام ضروریات پوری کرنے کیلئے دنیا میں۔ مسائل سے لڑ جاتا ہے ہر ماں اور باپ چاہتا ہے کہ اسکے بچے پوری دنیا سے اوپر ہوں اور آپکے تمام حقوق آپ کو دیے جاتے ہیں اور پاکستان آپکے مفت تعلیم اور صحت کی سہولتیں مہیا کرتا ہے سب کے والدین امیر اور جاگیردار نہیں ہوتے سب کے والدین تاجر اور صنعت کار نہیں ہوتے کسی کا باپ مزدور یا تاجر ہے تو کسی کا باپ مسز کی کسی کا باپ کا شکار ہوتا ہے تو کسی کا باپ ڈرائیور کسی کا باپ سارا دن پھیری کا کام کرتا ہے تو کسی کا باپ درزی اور کسی کی ماں۔ گھروں میں کام کرتی ہے تو کسی کی کام مزدوری پر کپڑے سیتی ہے مگر پیارے بچوں آپکو ہر سہولت میسر ہوتی ہے اور افسوس اس وقت والدین کو لگتا ہے ریاست کو لگتا ہے جب آپ کسی بھی امتحان میں فیل ہو جاتے ہو اور آپکا فیل ہونا والدین کی خوشیوں کا قتل ہو جاتا ہے اور والدین اس وقت ٹوٹ جاتے ہیں جب آپ کسی غلط صحبت میں چلے جاتے ہو اور چرس سگریٹ اور دوسری غلط عادات کو اپنا لیتے ہو اور والدین کے خوابوں کو چکنا۔ چور کر دیتے ہو اور انکی محنت کو برباد کر دیتے ہو اور ان کو جیتے جی مار دیتے ہو جنھوں نے آپ کو ہر سہولت دی اور اپنے انکی محنت پر پانی پھیر دیا پیارے بچوں کامیابی اس وقت ملتی ہے جب آپ اپنے والدین کی محنت کا احساس کرو گے جب آپ اسکے خون پینے کی کمائی کا احترام کرو گے اور جب آپ کسی امتحان میں ٹاپ کر لے ہو تو آپ کے والدین پھولے نہیں سماتے اور انکی خوشی کی انتہا نہیں۔ رتی پیارے بچوں آپ ہی پاکستان کا مستقبل ہو آپ نے ہی آگے چل کر پاکستان کی ہاگ ڈور سنبھالنی ہے آپ نے ہی ۷۷ صدر بننا ہے آپ نے ہی وزیر اعظم بننا ہے آپ نے ہی سب کچھ سنبھالنا ہے خدا کیلئے والدین کے اہتمام کو مت توڑا کرو جو تمہاری خوشیوں پر اپنی خوشیاں قربان کر دیتے ہیں مگر تمہیں۔ افسردہ نہیں دیکھ سکتے پیارے بچوں ہمارا وطن بہت دکھ دیکھ چکا اب آپ سب نے ملکر اسکی تعمیر کرنی اور یہ تعمیر قاید کے فرمان کام کام اور بس کام سے۔ ممکن۔



یہ اور تین ہستیوں کو راضی کرنے سے ممکن ہے اور تین ہستیوں کو۔ خوش کرے سے ممکن ہے اور وہ تین۔ ہستیاں ہیں ماں باپ اور استاد پیارے بچوں محنت کرو سوشل میڈیا سے دور رہو جب تک تعلیم مکمل نہیں۔ کر لیتے غلط لوگوں سے دور رہو اور غلط عادات سے دور رہو اور آپکی زندگی کا مقصد صرف اور صرف تعلیم ہونی چاہیے اور جب تعلیم مکمل کر لوں تو آپکے حقوق ختم اب آپ کے فرائض۔ شروع اور والدین کے حقوق کا آغاز اور اب۔ دیکھنا یہ کہ اپنے والدین کا قرض کس طرح اٹارتے ہو یہ زندگی ایک پراسیس کا نام ہے۔ کبھی حقوق۔ تو کبھی فرائض۔ اور یہ سب تعلیم سے ممکن ہے پیارے بچوں اللہ پاک آپ سب۔ کو اپنی امان میں رکھے اور آپ۔ سب کو زندگی کے ہر۔ میدان میں۔ کامیاب۔ کرے اور والدین کا اساتذہ کا ادب کرنے کی توفیق دے آمین

§§§

وہ جان بوجھ کر اس کو پکڑتے نہیں تھے بلکہ ابو کو بتا دیا کرتے تھے اور اسی لئے انہوں نے اسے قتل کیا تاکہ اس کو سزا دے سکیں اور اب اس کی سزا یہ تھی کہ وہ دوسری جماعت دوبارہ پڑھے گا۔ اس کے سب دوست تیسری جماعت میں چلے جائیں گے پورے جنگل میں اس کی بدنامی ہوگی۔ اب نہ اس کی سالگرہ پر شہد لگا پڑاموں کا کیک آئے گا اور نہ ٹرائی سائیکل آئے گی۔

یہ سن کر پنکو کو بہت دکھ اور شرمندگی ہوئی اور اس نے امی، ابو اور سر سے وعدہ کیا کہ وہ اب بہت محنت سے پڑھے گا تاکہ ایمانداری سے اول پوزیشن حاصل کر کے اگلے سال تیسری جماعت میں جائے۔

اب ابو، امی، پرنسپل سر ایلی اور ٹیچر سر نیڈی اس سے بہت خوش تھے۔

§§§

نشا پانڈا

مصنف: یوسف

نشا پانڈا پنکو آج کل بہت خوش تھا کیونکہ اس کی امی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ سالانہ امتحانات میں اول پوزیشن حاصل کرے گا تو وہ اس کی سالگرہ پر اس کا پسندیدہ شہد لگا پڑاموں کا کیک منگوا دیں گی اور ابو اسے ٹرائی سائیکل دلائیں گے۔ پنکو خوش تو تھا لیکن ساتھ ساتھ تھوڑا پریشان بھی تھا کیونکہ اس کا پڑھائی میں کچھ خاص دل نہیں لگتا تھا اسے تو صرف باہر جنگل میں دوستوں کے ساتھ کھینا اور شہد اور کیلے کھانا بہت پسند تھا۔ اب ظاہر ہے اول پوزیشن حاصل کرنے کے لئے تو بہت سارا پڑھنا پڑتا خاص طور پر سبق یاد کرنا تو دنیا کا سب سے مشکل کام لگتا تھا۔ رات بھر پنکو جاگتا رہا اور یہ ہی سوچتا رہا کہ کوئی ایسا طریقہ ہو کہ پڑھنا بھی نہ پڑے اور اول پوزیشن بھی آجائے۔

آخر کار صبح تک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آتی گئی۔ اب پنکو بہت مطمئن تھا، صبح وہ خوش خوش، ”جنگل ماڈل اسکول“، جانے کے لئے تیار ہوا۔ آج انگلش کا پرچہ تھا، پنکو اپنی کلاس میں جا کے بیٹھ گیا۔

جوہی پرچہ شروع ہونے کی گھنٹی بجی۔ انگلش کے سر نیڈی (بھالو) نے پرچے اور کاپیاں تقسیم کیں، پنکو نے چپکے سے اپنے موزے میں سے ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا اور کاپی کے نیچے چھپا کر نقل کرنا شروع کردی۔ نیڈی سر بھی حیران تھے کہ پنکو بڑی خاموشی سے پرچہ حل کر رہا ہے کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ پنکو کو پڑھائی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔



جب سر راولڈ لیتے پنکو لکھنا روک دیتا۔ سر کے جاتے ہی پھر شروع کر دیتا، اسی طرح چھوٹے چھوٹے پرچوں سے پنکو نے بڑی چالاکی کے ساتھ نقل کر کے پرچہ حل کیا۔ وہ چھوٹے پرچے دوبارہ موزوں میں چھپا کر ناخن ہونے کے بعد پرچہ سر کو دے کر گھر آگیا۔ اسی طرح بہت مزے سے سارے پرچے دیتا رہا اور امتحان ختم ہو گئے۔

پنکو کو پورا یقین تھا کہ وہ لازمی اول پوزیشن حاصل کرے گا پھر وہ اپنی سالگرہ پر شہد لگا پڑاموں کا کیک خوب مزے لے لے کر کھائے گا اور جنگل میں اپنی خوب صورت سی ٹرائی سائیکل لے کر گھومے گا تو اس کے سب دوست بہت متاثر ہو گئے۔

بالآخر طویل انتظار کے بعد نتیجہ کا دن آگیا۔ پنکو خوب تیار ہو کر امی، ابو کے ساتھ رزلٹ لینے گیا، جب دوسری جماعت کا نتیجہ سنانے کی باری آئی تو پنکو کا نسا سادل تیز دھڑک رہا تھا۔ پرنسپل سر ایلی (تھی) نے جیلی، دوسری اور تیسری پوزیشن لینے والے بچوں کے نام پکارے مگر یہ کیا ہوا؟ ان میں پنکو کا نام تو تھا ہی نہیں۔ اسے تو بہت رونا آیا۔ تھوڑی دیر تمام بچوں کو ان کی جماعت میں

رزٹ کارڈ دیئے گئے۔ جب پنکو کو رپورٹ کارڈ ملی تو اس میں برا لکھا تھا، ”فیل“۔
اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ فیل ہو گیا ہے۔ سارے دوسری جماعت کے بچے ہنس رہے تھے،
اس کا مذاق اڑا رہے تھے۔

پنکو اپنی امی کے گلے لگ کے بہت رو یا لیکن اس کے ابو بالکل خاموش بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔
پھر ابو نے پوچھا، ”سچ بتاؤ! تم نے امتحان سبق یاد کر کے دیا تھا یا نقل کی تھی؟“ پنکو کو ابو سے
بہت ڈر لگ رہا تھا کیونکہ وہ شدید غصے میں تھے۔ جب ابو نے دوبارہ سخت لہجے میں پوچھا تو پنکو نے
روتے ہوئے بتایا کہ، ”میں نے نقل کی تھی کیونکہ مجھ سے یاد نہیں ہو رہا تھا۔“

تب ابو نے بتایا کہ پرنسپل سر ایلی اور ٹیچر ٹیڈی سے ان کی پرانی دوستی ہے اور انہوں نے کہا کہ جب
پنکو پرچہ حل کر رہا ہو تو چپکے چپکے خاموشی سے اس پر نظر رکھیں کہ وہ پرچہ کیسے حل کر رہا ہے۔
تو جب وہ نقل کر رہا ہوتا تو سر ٹیڈی اور سر ایلی کو پتہ چل جاتا تھا لیکن